

## خاطرات

محمد عمار خان ناصر

# جنسي ہر اسانی: مذہب کا اخلاقی و قانونی زاویہ نظر

معاشرتی زندگی کے مختلف دائروں میں کام کرنے والی خواتین کو مردوں کی طرف سے جنسی ہر اسانی کا نشانہ بنایا جاتا دور جدید کا ایک اہم سماجی مسئلہ ہے اور ہمارے ہاں بھی وفا فوتا ہے بحث موضوع گفتگو بنتی رہتی ہے۔ اس مسئلے کے کئی پہلو ہیں جن میں سے ہر پہلو مستقل تجزیے کا مقتضی ہے۔ اس کا تعلق انسان کی جنسی جبلت سے بھی ہے، انفرادی اخلاقیات سے بھی، مردوزن کے اختلاط کے ضمن میں سماجی روایت سے بھی، جدید معاشری نظام سے بھی اور قانون و ریاست کی ذمہ داریوں سے بھی۔

بلومنت کی عمر میں مردوزن کا جنسی طور پر ایک دوسرے کے لیے باعث کشش ہونا ایک معلوم حقیقت ہے۔ افراد کی سطح پر یہ کشش ضروری نہیں کہ ہمیشہ دو طرفہ ہو۔ بسا اوقات یہ یک طرفہ ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں جنس مخالف تک رسائی کے لیے مرد اور عورت باہم مختلف رویوں کا اظہار کرتے ہیں۔ عورت جنسی تعلق میں چونکہ فطرتاً منفعل ہے اور اس کی سماجی تربیت میں بھی یہ شامل ہے کہ وہ جنسی رغبت کا اظہار نہ کرے، اس لیے اس کا اظہار رغبت عموماً بالواسطہ یعنی اشارہ و کتابی کی زبان میں ہوتا ہے اور اس میں جارحیت شامل نہیں ہوتی۔ اس کے بر عکس مرد حیاتیاتی اور معاشرتی، دونوں پہلووں سے غلبے کا مزاج رکھتا ہے، اس لیے اس کی طرف سے جنسی رغبت کا اظہار اقدام اور جارحیت کا انداز لیے ہوتا ہے۔ چنانچہ مردوزن کے مابین معاشرتی تعامل میں جہاں مرد کسی بھی لحاظ سے اپنی خواہش کو عورت کی مرضی کے خلاف اس پر مسلط کرنے کی طاقت رکھتا ہے، وہاں جنسی ہر اسانی کا مسئلہ پیدا ہو جاتا ہے۔

گویا سادہ لفظوں میں جنسی ہر اسانی کا مطلب یہ ہے کہ مرد، عورت کی کمزور پوزیشن یا کسی مجبوری یا خواہش کا فائدہ اٹھاتے ہوئے، جس کی تکمیل اس کے تعاون پر منحصر ہے، عورت کی مرضی کے برخلاف اس سے جنسی تلذذ حاصل کرے۔ یہ چونکہ اخلاقیات کے کسی بھی تصور کے لحاظ سے ایک غلط طرز عمل ہے، اس لیے کسی اختلاف کے بغیر دنیا کے ہر معاشرے میں اسے جرم قصور کیا جاتا اور اس کے سد باب کے لیے تداریکی جاتی ہیں۔ تاہم اس نیادی اتفاق کے ساتھ ساتھ اس مسئلے کی اخلاقی نویعت اور اس کی روک تھام کی حکمت عملی کے حوالے سے مذہب کے نقطہ نگاہ اور جدید لبرل تصور اخلاق میں بعض جو ہری فرق پائے جاتے ہیں جن کی تنقیح ضروری ہے۔

مذہب کے نقطہ نظر سے اس مسئلے کا تجزیہ یہ تین نیادی اصولوں پر مبنی ہے:  
ایک یہ کہ صنفی تعلق کے جواز کا مدار صرف باہمی رضامندی پر نہیں، بلکہ چند اخلاقی حدود و شرائط کی

پابندی سے ہے جنہیں نظر انداز کر کے باہمی رضامندی سے قائم کیا جانے والا صنفی تعلق بھی مذہب کی نظر میں غیر اخلاقی ہے۔

دوسرایہ کہ ناجائز صنفی تعلق کے سد باب کے لیے مردوزن کے میل جوں کو کچھ آداب کا پابند بنانا ضروری ہے جن کی رعایت دونوں صنفوں کے لیے واجب ہے۔

تیسرا یہ کہ عورت کے ساتھ جبر، زبردستی یا اس کی مجبوری یا ضرورت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کا استحصال ایک مزید گناہ ہے جو مستقلًا قابل مذمت و قابل تعزیر ہے۔

حاصل یہ کہ مذہب اس مسئلے کو بطور ایک فرد کے، عورت کے تحفظ کے ساتھ ساتھ حیا اور پاک دامنی کی قدروں کے تمازن میں بھی دیکھتا ہے اور اس کے نقطہ نظر سے صرف جنسی ہر انسانی مسئلہ نہیں، بلکہ دو اور چیزیں بھی قابل اعتراض ہیں: ایک، جنسی کش پیدا کرنے کے مختلف طریقے استعمال کرنا، اور دوسرا، ”فلر ٹیشن“ کرنا جو باہمی رضامندی سے ہوتی ہے۔ چنانچہ مذہبی صور اخلاق اس مسئلے کو ایک کل کے طور پر دیکھتے ہوئے ان تمام پہلوؤں کا موضوع بنتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ خواتین جنسی کش پیدا کرنے کے طریقوں سے اجتناب کریں، مرد و عورت باہمی رضامندی سے بھی ”فلر ٹیشن“ نہ کریں، اور مرد، عورت کی کمزور پوزیشن یا مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے جنسی تلنڈ کا ذریعہ نہ بنائے۔ انفرادی سطح پر اخلاقی تعلیم و تلقین کے ساتھ ساتھ اس حوالے سے جب معاشرتی حدود و آداب متعین کیے جاتے ہیں تو یہاں بھی مذہب یک طرفہ طور پر صرف مردوں کو ”احترام خواتین“ کا پابند نہیں کرتا، بلکہ خواتین کو بھی اخلاقی حدود و آداب کا پابند بنتا ہے جن کو نظر انداز کرنا جنسی جبلت کو اخلاقی حدود سے باہر نکلنے کا موقع دے سکتا ہے۔ اسی اصول کے تحت کسی جرم کی سرزدگی کی صورت میں جب قانون حرکت میں آتا ہے تو وہ بھی صرف ہر انسانی پر نہیں، بلکہ باقی دونوں پہلوؤں کے حوالے سے بھی آتا ہے۔

اس کے بر عکس انسانی حقوق کا عصری فلسفہ اس مسئلے کو بنیادی طور پر عورت کی انفرادیت اور آزادی کے حوالے سے دیکھتا ہے اور اسی حد تک اس کے سد باب کو موضوع بنتا ہے جس حد تک اس کی زد بطور ایک فرد کے، عورت کی آزادی اور تحفظ پر پڑتی ہے۔ جہاں تک پاک دامنی اور عفت کی اقدار کا اور صنفیں کے اختلاط کو حدود و آداب کا پابند بنانے کا تعلق ہے تو لبرل فلسفہ معاشرت کو اس سے برادرست کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ بعض صورتوں میں یہ چیزیں اس تصور معاشرت میں بنیادی قدر کا درجہ رکھنے والے تصور، حریت فرد کے منافی قرار پاتی ہیں۔ یوں اس تصور اخلاق میں جنسی ہر انسانی کے مسئلے کو باقی دونوں پہلوؤں سے الگ کر کے دیکھا جاتا ہے اور یہ مانا جاتا ہے کہ عورت کو یہ حق ہے کہ وہ جیسا چاہے، لباس پہنے اور اپنے نسوانی حسن کی داد یا صنف مخالف کی توجہ حاصل کرنے کے لیے جواندہ چاہے، اختیار کرے، اور اس حوالے سے تلقین و نصیحت کے علاوہ کوئی معاشرتی یا قانونی پابندی اس پر عائد نہیں کی جاسکتی۔ سماجی یا قانونی قدیمیں صرف وہاں شروع ہوں گی جہاں عورت کو جنسی ہر انسانی جیسے رویے کا سامنا کرنا پڑے۔ یوں جنسی ہر انسانی جیسے اخلاقی و سماجی مسائل میں جدید ذہن اسی بنیادی غلطی کا شکار ہے جو دوسرے کئی مسائل میں بھی ظاہر ہوتی ہے، یعنی مسئلے